ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

مقامِ اقبالؒ

جب ہم پر برطانوی استعمار مسلط ہوا تو اس نے اقتدار میں اپنا حریف ہندوؤں کو نہیں مسلمانوں کو سمجھا تھا اور اپنے اقتدار کی بقا کی خاطر یہ ضروری سمجھا تھا کہ مسلمانوں کو ان کی حیاتِ اجتماعی کے سرچشموں (کتاب و سنت اور تاریخ اسلام) سے بدگمان کر دیا جائے تو وہ برطانوی استعمار کے لئے خطرہ نہ بن سکیں گے۔ اس لئے اس نے اپنی پوری سلطنت کے وسائل مسلمانوں کے دل سے اسلام کے قابلِ عمل ہونے کے اعتماد کو مٹانے کے لئے صرف کئے۔

(۱) شرعی عدالتیں ختم کر دیں۔

(۲) جغرافیائی وفاداری کو اساس عمرانیت بنا کر معاشرے کو لادینی (SECULAR) نمونے پر ڈھال دیا۔

(۳) ضبطیٔ اوقاف کے قانون کے نفاذ سے مسلمانوں کی ہر تعمیری جدوجہد کو ناکام بنانے کے لئے ان کے تمام تبلیغی فلسفی اداروں اور تمام اصلاحی تحریکوں کو مالیات سے محروم کر کے علماء کو معاشی بحران میں مبتلا کر دیا۔

(۴) نظام تعلیم کو لادینی بنا کر یہ اہتمام کیا کہ نئی نسلیں لادینیت (SECULARISM) کے زیر اثر آ کر مستقبل میں لادینی نظام کے علاوہ کسی اور نظام سے اپنی فلاح کو وابستہ نہ کر سکیں۔

(۵) چونکہ لادینیت کا مطلب یہ ہے کہ ریاست اخلاق اور مذہب میں دخل اندازی نہ کرے انگریز نے اخلاق و مذہب میں کوئی تقاضا معاشرت، معیشت، سیاست، ثقافت اور تعلیم میں دخل اندازی کرنے کا پیدا نہ ہونے دیا لہٰذا ہمارا دینی نظام تعلیم بھی لادینیت کے نمونے پر ڈھل گیا۔

یہ وہ بندھن تھے جو برطانوی استعمار نے ہمارے ملی تشخص کے بیدار ہونے کی راہ میں باندھے تھے۔
علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی زندگی میں بے یقینی پیدا کرنے والے موثرات کے جواب میں ملی تشخص کی بحالی اور قومی کردار کے احیا کے لئے جدوجہد فرمائی۔
چونکہ افراد کی طرح جماعتیں بھی زوال، انحطاط اور موت سے ہمکنار ہوتی ہیں اور اجتماعی موت عبارت ہے مقصدِ حیات کا شعور فنا ہو جانے سے تصور کائنات کے مسخ ہو جانے سے اور نظامِ افکار کی روح کے فنا ہو جانے سے اس لئے علامہ اقبالؒ نے ہماری اجتماعی زندگی میں اضمحلال کا پہلے سبب دریافت کیا۔ اور پھر اس کا علاج بھی تجویز کیا۔

علامہ اقبال کے نزدیک ہماری خرابی کا سب سے بڑا سبب ہماری بے مقصدی تھی۔

شبے پیشِ خدا بگریستم زار مسلماناں چرا خوار اند و زار اند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم دلے دارند و محبوبے ندارند

مستشرقین نے ہمیں باور کرایا تھا کہ اسلام بھی قدیم مصری تہذیب، بابل اور نینوا کی تہذیب اور قدیم ہندی تہذیب کی طرح ایک مٹی ہوئی تہذیب اور ایک ختم شدہ قوت (SPENT UP FORCE) ہے اور مسلمانوں کے لئے اب کوئی چارہ اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کے لئے اس کے علاوہ نہیں ہے کہ وہ جدید مغربی تہذیب کو اپنا لیں۔
ہمارے بعض ماؤف الذہن لوگ اپنی خام خیالی کی بنا پر یہ گمان کرنے لگے تھے کہ عصرِ حاضر کے تقاضے اگر ہم اپنا نہ لیں تو ہمارے لئے چیلنج ہیں اور ان کی سمجھ میں یہ نہ آتا تھا کہ اگر اسلام اور مسلمان ایک ختم شدہ قوت ہیں تو ہمارے خلاف بین الاقوامی سطح پر اتنی مخالفت کیوں ہے؟ علامہ اقبال کے نزدیک مسلمان اب بھی ایک زندہ قوت ہیں اور دشمنی کوئی ایسی چیز نہیں جو خطرناک ہو بشرطیکہ ہم اس کے مقابلے کے لئے تیار رہیں۔ حضرت علامہ نے فرمایا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

علامہ اقبالؒ نے پاک و ہند کے زوال کے تدارک اور ان کی بقا اور ترقی کے ذریعہ کے طور پر مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں کو باقی ہندوستان سے الگ کر کے مسلمانوں کی ایک خود مختار با اقتدار ریاست کے قیام کی تجویز پیش کی تھی تاکہ وہ اس دینی اور ثقافتی اختلال کا تدارک کر سکیں جس سے مسلمان دوچار رہے تھے

علامہ اقبالؒ نے یہ مقصود مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پیش فرمایا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں مسلمانوں نے قرارداد لاہور کے ذریعے اسے اپنے سیاسی نصب العین کے طور پر اپنایا۔ علامہ اقبالؒ نے اس نصب العین کی صرف نشاندہی ہی نہیں فرمائی تھی بلکہ قائداعظم کی ذات میں اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ایک قیادت بھی مہیا کی تھی جس کی رہنمائی میں ۱۹۴۷ء میں یہ مقصود حاصل ہو گیا اور پاکستان وجود میں آ گیا۔

اب سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر وہ مقام حاصل ہو جہاں پہنچ کر وہ اپنی محکومی کے دور میں پیدا کی جانیوالی رکاوٹوں کو دور کر کے اپنے ملی تشخص کو از سر نو نمایاں کرے اور بین الاقوامی ثقافت میں ایک ممتاز اور ممیز مقام حاصل کرے اس کے لئے ضروری تھا کہ ہم علامہ اقبال اور قائداعظم کے عزائم کے لئے جدوجہد کرتے جس میں سب سے اہم شرط یہ تھی کہ ہم اپنے مسائل کو حل کرنے کے لئے غیر اسلامی افکار و نظریات کی دریوزہ گری کے بجائے اسلام سے اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے۔ یہ کام ریسرچ کی بنیاد پر ممکن تھا۔

ہمارے ارباب حل وعقد نے دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ میں تعمیر بعد از جنگ (POST WAR RECONTRUCTION) کے سلسلے میں سن رکھا تھا تعمیر نو کی بنیاد ریسرچ پر رکھی جانی چاہیئے، اس خیال کے تحت ہمارے ارباب حل وعقد کی نگاہِ انتخاب اس ملک میں مستشرقین کی ذریت پر پڑی جن کے نزدیک ریسرچ صرف گورکنی اور استخواں فروشی کا نام ہے اس گورکنی اور استخواں فروشی پر ہم نے ایک کروڑ سے زائد رقم خرچ کر کے صرف یہ جانا کہ یہ سب کچھ بے نتیجہ تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا اس سے کچھ عبرت بھی حاصل ہوئی یا نہیں. دراصل ریسرچ کی ضرورت تو اس وقت پیش آتی ہے جب دیا ہوا علم مسائلِ حیات کو حل کرنے سے قاصر ہو اور تحقیق و تفحص علم کی تجدید کے بعد اس سے مسائل حیات کا حل تلاش کیا جائے۔

ہمارے معاشرے میں دو قسم کے فکری رجحانات ہیں، ایک مائل بہ راسخ الاعتقادی اور دوسرے جدید اول الذکر کی معذوری یہ ہے کہ راسخ العقیدہ ذہن کے نزدیک تو ہمیشہ سے کامل لہٰذا ناقابل تغیّر اقدار اور ارتقا پذیر لہٰذا تغیر پذیر اقدار کے درمیان امتیاز باقی نہیں رہا اور مسلمانوں کے اپنے شعور کے زائیدہ علوم کو بھی وہ ذہن ہمیشہ سے کامل سمجھتا ہے اور جدید ذہن کی معذوری یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ اقدار

کاملہ کو بھی تغیر پذیر اور ارتقا پذیر سمجھتا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ اپنی معذوری کی بنا پر ارتقائی حرکت تغیر کو خط مستقیم کی صورت میں سمجھ کر جدید ترین کو کامل ترین سمجھتا ہے اور یہ نہیں سمجھنا چاہتا کہ ارتقا پذیر اقدار کی نشوونما کے مکمل ہونے کی سمت کیا ہوگی ؟

معاشرے میں انفرادیت اور اجتماعیت کے نظریات میں تصادم ہے معیشت میں انفرادی حقوق مفادات اور اجتماعی حقوق و مفادات میں تضاد و تصادم ہے۔ سیاست میں ایک طرف اس باب میں دو متضاد موقف اختیار کئے جاتے ہیں، ایک یہ کہ ریاست کا وظیفہ صرف اخلاقی ہے یعنی جان ومال و آبرو کو قوت سے محفوظ کر کے لوگوں کو اخلاقی کمال حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرنا۔ دوسرا یہ کہ ریاست کا وظیفہ صرف معاشی ہے یعنی اپنی منصوبہ بندی کے تحت معاشی تخلیق کا نظام پیدا کرنا۔

عالمی فکر ابھی تک معاشرت، معیشت اور سیاست میں نہ تو تضاد و تصادم کو رفع کر سکا ہے۔ نہ وہ سمت متعین کر سکا ہے جدھر جانے سے یہ تضاد و تصادم رفع ہو سکے۔

ہماری ذمہ داری یہ تھی کہ ہم اسلام کے نقطۂ نگاہ سے اس تضاد و تصادم کو رفع کرتے اور ارتقا پذیر اقدار کی نشوونما کی تکمیل کا منہاج متعین کرتے مگر یہ ذمہ داری عقائد و افکار و نظریات کی جگالی کرنے والے اور اوبش کھانے والے ذہن ادا نہیں کر سکتے۔ جب تک مختلف سیاسی پارٹیوں کے درمیان عصبیتوں سے دستبردار ہو کر یہ فیصلہ نہ کیا جائے کہ کون لوگ کیا کام انجام دے سکتے ہیں اس وقت تک ہم بین الاقوامی سطح پر وہ مقام حاصل نہیں کر سکتے جو ہمارے لئے مقدر ہے اور جب تک کمترین صلاحیت کے لوگ اس سے باز نہ رکھے جائیں کہ اپنے نمود کی خاطر اقبال اور قائداعظم کی شخصیتوں کے اجاگر کرنے میں حائل رہیں تو پاکستان بین الاقوامی سطح پر اپنا مقام حاصل نہیں کر سکے گا۔